مؤثر تنظیم-۲

استحکام اور توسیع کے تقاضے

(دوسری اور آخری قسط)

خرم مرادؒ

انسان' اہم ترین سرمایہ

مؤثر تنظیم کے حوالے سے ساتویں چیز یہ ہے کہ تحریک کے لیے وقت جیسے قیمتی سرمائے کے بعد سب سے بڑا اور اہم وسیلہ "انسان" ہیں۔ اگر ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو انسان ہی وقت کا نام ہے۔ اس لیے کہ جب آخری سانس نکل جاتی ہے تو وقت ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو وقت آپ کا اپنا ہے' یا جو آپ کے disposal پر ہے' یا جو آپ کو فراہم کیا گیا ہے' یہ سب افراد کی صورت میں ہے۔

یہ وقت جو افراد (افرادی قوت) کی صورت میں آپ کے پاس ہے' صرف ایک قسم یا کوالٹی کا نہیں ہے۔ سب انسان ایک جیسے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کو فیکٹری کے جوتوں کی طرح ایک سائز یا ایک قسم کا نہیں بنایا ہے بلکہ ہر انسان دوسرے سے مختلف ہے۔ اس حد تک مختلف ہے کہ دو انسانوں کی انگلیوں کے نشانات (finger prints) بھی دنیا میں آج تک ایک جیسے نہیں ہوئے۔ آج تک اربوں انسان پیدا ہوئے اور مر گئے مگر ان کے انگلیوں کے نشانات ایک جیسے نہیں ہوئے۔ یہ جہاں اللہ کی قدرت کا بین ثبوت ہے وہاں انسانوں کے مزاج' افتاد طبع' رجحانات اور صلاحیتوں میں اختلاف کا بھی مظہر ہے۔ انسانی مزاجوں میں اتنا تضاد پایا جاتا ہے کہ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید انسان مل کر کام کر ہی نہیں سکتا۔ یہ اللہ ہی کی شان ہے کہ اس نے حیرت انگیز طور پر انسانوں' خاندانوں' معاشروں اور سوسائٹیوں کے مابین ایسی ضروریات پیدا کر دیں کہ مختلف النوع انسان مل جل کر رہیں اور باہم ایک جماعت اور تنظیم بنائیں۔

اسلامی تحریک کے لیے سب سے بڑا وسیلہ "انسان" ہی ہیں۔ ذاتی طور پر اپنا تزکیہ و تربیت کرنا، اور وہ انسان جو تحریکی ناطے سے ساتھ چل رہے ہوں ان کی تربیت کرنا اور ان سے کام لینا، یہ ذمہ داران کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ رسول کریمؐ کی بنیادی ذمہ داریوں میں یہ بات شامل تھی کہ وہ ان کے نفوس کا تزکیہ کرتے ہیں۔ وَیُزَکِّیْهِمْ (الجمعہ ۶۲:۲) ان کی زندگی سنوارتا ہے ----- گویا انسان اگر بہتر بنیں گے اور کار آمد بنیں گے تو کام بہتر ہو گا، اور اگر انسان اسی مقام یا سطح پر رہیں گے جیسا کہ آج سے ۱۰ برس قبل تھے تو کام بھی ویسا ہی رہے گا جیسا کہ ۱۰ برس قبل تھا۔ جب آپ خود وہی ہوں جو آج سے ۱۰ سال قبل تھے تو آپ کا کام کیسے آگے بڑھ سکتا ہے۔ اگر آپ کی صلاحیت، استعداد، قابلیت اور کارکردگی وہی ہے جو آج سے ۱۰ برس قبل تھی تو اس کے لازمی معنی یہ ہوں گے کہ آپ کا کام بھی وہیں رکا رہے گا۔ اپنا کام تو آپ کو خود ہی کرنا ہے۔ فرشتے آ کر تو آپ کے حصے کا کام کرنے سے رہے۔

فرد کی تربیت کے اصول: یہ بات کہ آدمی اپنی اور اپنے ساتھیوں کی تربیت کیسے کرے اور ان سے کام کیسے لے؟ یہ اپنی جگہ ایک الگ تفصیلی موضوع ہے۔ تاہم اس ساتویں نکتے کے تحت میں چند موٹی موٹی باتیں آپ کے سامنے رکھوں گا۔

خوبیوں پر نظر رکھنا: پہلی بات یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر کمزوریاں بھی ہوتی ہیں اور خوبیاں بھی۔ کچھ کام وہ نہیں کر سکتا ہے اور کچھ کام وہ ضرور کر سکتا ہے۔ ہر فرد کا ایسا ہی معاملہ ہے۔ اسی طرح جہاں ہمارے اندر کمزوریاں ہیں وہاں مختلف صلاحیتیں، قوتیں اور استعداد بھی ہے۔

کمزوریوں کا اثر کم سے کم: ایک مؤثر تنظیم کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں کمزوریوں کا اثر کم سے کم ہو۔ کم سے کم اس لیے، کہ یہ کم تو ہو سکتا ہے مگر ختم نہیں ہو سکتا۔ اس بات کو ابتدا ہی میں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ یہ بات کہ دنیا میں رہنے والے تمام انسان کامل (perfect) ہو جائیں گے، سب ایک آواز پر جمع ہو جائیں گے، اجتماع میں بروقت پہنچیں گے، اور سب کام کریں گے--- ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ مسائل تو صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی پیش آتے رہے ہیں۔ انسان تو ہے ہی کمزور چیز۔ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (النساء ۴:۲۸) اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے--- مگر اس کو بہت سی قوتیں اور صلاحیتیں بھی دی گئی ہیں۔ اس میں اتنی قوت اور طاقت ہے کہ وہ اس کام کو بھی کر سکتا ہے کہ جس کو کرنے سے پہاڑ اور زمین بھی لرز اٹھتے ہیں۔ گویا انسان کمزوریوں اور قوتوں کا ایک مجموعہ ہے۔ اس لیے وہی تنظیم بہتر کام کر سکتی ہے جو کمزوریوں اور خامیوں کو اور ان کے اثرات کو کم کر کے میسر قوتوں کو اچھے انداز میں استعمال کر سکے، اور مطلوبہ ہدف حاصل کر لے۔

اسی بات کی طرف نہایت حکیمانہ انداز میں اشارہ کرتے ہوئے نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی اپنے ساتھیوں کی کمزوریاں ہی تلاش کرتا رہتا ہے، اور ان پر الزام رکھتا رہتا ہے، وہ ان کو تباہ و برباد کر کے

رکھ دیتا ہے۔ احتساب اپنی جگہ ضروری ہے مگر اہم تر بات یہ ہے کہ آپ یہ دیکھیں کہ جو بھی آپ کے پاس سرمایہ ہے اس سے آپ کیا کام لے سکتے ہیں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ پانچ یا دس روپے سے کیا کام ہو گا! تو کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ اس کے بجائے آپ یوں سوچیے کہ پانچ روپے سے کیا کام ہو سکتا ہے؟ یہ نہ سوچیے کہ "نہیں ہو سکتا"۔ اس لیے کہ "نہیں ہو سکتا" تو ہماری منزل نہیں ہے۔ یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مختلف افراد کے بارے میں یہ سوچنا چاہیے کہ یہ کیا کام کر سکتے ہیں۔

صلاحیتوں کو اجاگر کرنا: اللہ نے انسانوں کو بلامقصد تو پیدا نہیں کر دیا۔ وہ ان سے کچھ کام بھی لینا چاہتا ہے۔ اس لیے انھیں کچھ صلاحیتیں تو ضرور عطا کی ہوں گی۔ اس لیے یہ لوگ کچھ نہ کچھ ضرور کر سکتے ہیں۔ لہٰذا لوگ جو کچھ کر سکتے ہوں' ان سے وہ کام لینا چاہیے۔ یہ تمام صلاحیتیں اور وسائل جمع ہو کر ایک بہت بڑی قوت بن سکتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اگر آدمی ان باتوں پر غور کرتا رہے جو لوگ نہیں کر سکتے' تو قوت صفر ہو جائے گی۔

اصل بات یہ ہے کہ اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ ایک فرد کے اندر کیا خوبیاں ہیں؟ انھیں بڑھانے کی کوشش کرنا چاہیے اور جو کمزوریاں ہیں انھیں دبانے یا دور کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اسی طرح اپنے ساتھیوں کے اچھے اوصاف کی قدر کریں' ان کو اہمیت دیں' ان کی نشوونما کی کوشش کریں اور ان کو مربوط کر کے مجموعی قوت بنائیں تو آپ دیکھیں گے کہ تنظیم کے اندر قوت اور طاقت پیدا ہو گی۔ دوسری طرف اگر آپ صبح سے شام تک اپنے ساتھیوں کی کمزوریوں اور خامیوں کا رونا ہی روتے رہیں گے تو یقین جانیے کہ یہی کام کرتے کرتے آپ کی عمر بھی گزر جائے گی اور تنظیم کی عمر بھی گزر جائے گی مگر کام آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ لیکن جہاں آپ نے یہ محسوس کیا کہ ۷۵ آدمی بڑھتے بڑھتے لاکھوں افراد بن گئے ہیں' وہ آپ کے پاس ہیں' آپ کی قوت ہیں اور ان سے آپ نے کام لینا ہے' تو آپ کی کیفیت بدل جائے گی۔ آپ کو ایک نیا عزم اور ولولہ ملے گا۔ نتیجتاً تنظیم کی مجموعی کارکردگی بہت بہتر ہو جائے گی اور تمام وسائل تعمیری عمل میں صرف ہونے لگیں گے۔

ہر انسان کے اندر خوبیوں اور خامیوں کا پایا جانا ناگزیر ہے۔ خوبیوں اور خامیوں کے حامل افراد کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ مگر افراد کی خوبیوں' اچھائیوں اور صلاحیتوں کو بڑھانا' نشوونما دینا اور انھیں ایک مؤثر قوت میں بدل دینا' افراد کی تربیت اور ان کی صلاحیتوں سے کام لینے کا پہلا اصول ہے۔

مسلسل سیکھنے کا عمل: افراد کی تربیت کے حوالے سے دوسرا اصول یہ ہے کہ ہر کام سیکھنے سے آ سکتا ہے۔ دنیا میں کوئی بھی کام ایسا نہیں ہے کہ جو آدمی محنت اور کوشش کر کے نہ سیکھ سکتا ہو۔ اگر کسی کو بولنا نہیں آتا تو بولنا آ سکتا ہے۔ اگر لکھنا نہیں آتا تو لکھنا آ سکتا ہے۔ اگر آفس چلانا نہیں آتا تو آفس چلانا آ سکتا ہے۔ اگر لیڈرشپ یا قیادت کی صلاحیت نہیں ہے تو پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو دنیا

کی بڑی بڑی ارب پتی کمپنیوں کو تربیت یافتہ افراد کہاں سے ملتے۔ افراد کو یونی ورسٹیوں میں رکھا جاتا ہے' تربیت کی جاتی ہے اور یہی معمولی انسان بڑے بڑے کاروبار کامیابی سے چلا کر دکھاتے ہیں۔ اس لیے یہ بات صحیح نہیں ہے کہ لیڈر شپ یا قیادت کا فن سیکھا نہیں جا سکتا۔ البتہ سیکھ وہی سکتا ہے جو سیکھنے کی کوشش کرے۔ کوئی دوسرا فرد گھول کر یا کچھ نسخے پلا کر کسی دوسرے کے اندر کوئی صلاحیت پیدا نہیں کر سکتا۔

یہی بات سمجھنے اور دوسرے ساتھیوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ کسی قسم کا مطالعہ' لٹریچر یا تربیت گاہیں اس وقت تک کارگر نہیں ہو سکتیں جب تک کہ آپ وہ بننا نہ چاہیں جو کہ آپ بننا چاہتے ہیں۔ اس عمل کو "سیکھنے کا عمل" یا انگریزی میں learning کہا جاتا ہے۔ اگر سیکھنے کا عمل مسلسل جاری رہے تو انسان سیکھ سکتا ہے اور اگر یہ عمل جاری نہ رہے تو نہیں سیکھ سکتا۔ محض تقریروں یا تربیت گاہوں سے انسان نہیں سیکھتا بلکہ اپنے عمل اور ارادے سے سیکھتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان یہ عزم کر لے کہ کوئی کام ایسا نہیں ہے جو ناممکن ہے اور اپنے ہر ساتھی کے اندر یہ سوچ پیدا کرے کہ جو کام کرنا ضروری ہے وہ کیا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک جو آدمی اپنے اوپر اعتماد سے محروم ہو یا اپنے اوپر بداعتمادی کرے وہ دراصل اللہ تعالیٰ پر بداعتمادی کرتا ہے۔ میں یہ بات اس لیے کہتا ہوں کہ اللہ جس نے انسان کو پیدا کیا ہے' جو کام لینا اس کے پیش نظر ہے اور جو آزمایش اس کو مقصود ہے' اس نے اس کے لیے انسان کو مطلوبہ صلاحیتیں ہی عطا نہ کی ہوں' ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ اس کی طرف سے ناانصافی ہو گی۔ جب اللہ پر یہ یقین اور توکل ہے کہ وہ زیادتی نہیں کر سکتا تو پھر اپنے اوپر بھی یہ اعتماد اور یقین ہونا چاہیے کہ مجھے جو کچھ دیا گیا ہے وہ میرے امتحان کے لیے ہے اور اسے امتحان کے لیے کافی ہونا چاہیے۔ کم چیز دے کر امتحان لینا' یہ اللہ کی عدل و انصاف اور رحمت کی روش سے بعید ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو یہ اعتماد دینا چاہیے کہ ہم جو کام کرنا چاہیں وہ کر سکتے ہیں اور سیکھ سکتے ہیں بشرطیکہ ہم اس کے لیے لگ کر کوشش کریں خواہ وہ تقریر کرنا ہو' درس دینا ہو' تربیت کرنا ہو یا مؤثر انداز میں تنظیم چلانا اور مقررہ اہداف کا حصول ہو۔ کوشش ہی اصل چیز ہے۔ اس کے نتیجے میں جو بڑے بڑے کام مشکل نظر آتے ہیں وہ آسان ہو جاتے ہیں۔

کام میں شرکت کا احساس : تیسرا اصول ہے اپنے ساتھیوں کو کام میں شریک کرنا اور ان کے ساتھ شریک رہنا۔ اس کے بغیر یک جان ہو کر ایک ٹیم کے انداز میں کام نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لوگ جو صبح و شام سیرت النبیؐ کا یہ سبق پڑھتے ہیں کہ غزوہ احزاب میں جب خندق کھودی جا رہی تھی اور حضورؐ خود بیلچہ لے کر پتھر اٹھا رہے تھے اور ہر موقع پر آگے آگے تھے' وہ آخر اس بات کو کیسے بھول سکتے ہیں کہ اپنے ساتھیوں کو کام میں شریک کرنا اور ان کے ساتھ شریک رہنا' کتنی اہم بات ہے۔ یہ اسوۂ رسولؐ بھی ہے اور مؤثر تنظیم کا ایک اہم اصول بھی۔ شریک رہنا اور شریک کرنا' دراصل ایک راز ہے لوگوں کے جذبے کو متحرک

رکھنے اور ان سے کام لینے کا۔

اس حوالے سے ایک سچا واقعہ جو کہ کفر کی دنیا سے متعلق ہے، اسلام کی دنیا سے نہیں، بڑا معنی خیز ہے۔ امریکہ میں موٹر بنانے کا ایک کارخانہ تھا۔ اس کی پیداوار کم تھی اور نقصان زیادہ۔ مزدور بیماری یا بہت سے حیلے بہانے کر کے کام سے جی چراتے تھے اور چھٹیاں کرتے تھے۔ صرف ۶۰ فی صد مزدور کام پر آتے تھے۔ جاپان کی ٹویوٹا کمپنی نے اس کارخانے کو خرید لیا اور وہاں نئے اصول و ضوابط نافذ کر دیے کہ افسر اور مزدور ایک ہی کنٹین سے کھانا کھائیں گے، ان کے غسل خانے اور بیت الخلا الگ نہیں ہوں گے، اور اسی قسم کے چند دیگر اصول تھے۔ پہلے دن جب مزدور لائن میں آکر ناشتہ لینے کے لیے کھڑے ہوئے تو امریکہ کی ٹویوٹا کمپنی کے صدر کا بیٹا بھی قطار میں کھڑا ناشتہ لے رہا تھا۔ صرف دو سال بعد ہی اس کمپنی کی پیداوار دگنی ہو گئی، منافع دگنا ہو گیا اور ۹۵ فی صد مزدور کام پر حاضر رہنے لگے۔

یہ مغربی دنیا کی کام میں شرکت کے احساس کے حوالے سے ایک مثال تھی مگر ہماری اپنی تاریخ اور سیرت النبیؐ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مشورے میں شریک کرنا، کسی کی بات نہ کاٹنا، لوگوں کی حوصلہ افزائی اور ہمت افزائی کرنا کہ وہ بولیں اور اپنی رائے دیں، یہ سب باتیں اسوۂ رسولؐ میں ملتی ہیں۔

اصلاح کا محرک

اگلا اہم اصول، رپورٹ سسٹم اور احتساب سے متعلق ہے جو بہت اہم ہے۔ معاشرے میں اس کے مساوی چیزیں سی آئی ڈی اور پولیس کے نام سے مستعمل ہیں۔ رپورٹ سسٹم کا وہی کام ہے جو سی آئی ڈی کا ہے اور محاسبے کا وہی کام ہے، جو پولیس کا ہے۔ سی آئی ڈی اور پولیس دونوں ضروری ہیں مگر سی آئی ڈی اور پولیس کے بل پر کوئی معاشرہ متحرک نہیں ہو سکتا اور اس میں جان نہیں پڑ سکتی۔ اس کے ذریعے خرابیوں کو روکا تو جا سکتا ہے، ختم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی خوبیوں کو خاطر خواہ انداز میں آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ رپورٹ سسٹم سے اگر خرابیوں کا اندازہ بھی ہو جائے تب بھی انھیں مکمل طور پر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ محاسبے کا عمل خواہ کتنا ہی مؤثر ہو اور پوچھ گچھ کتنی ہی کی جائے، کام کو آگے بڑھانے میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہو پاتا۔ پوچھ گچھ یا تفتیش کا کام دراصل پولیس کا کام ہے۔ ایک قائد، لیڈر اور ناظم کا کام پولیس کی طرح پوچھ گچھ کرنا، یا سی آئی ڈی کے سے انداز میں رپورٹ لینا نہیں ہوتا، بلکہ اس کا کام افراد کی صلاحیتوں سے کام لینا، انھیں آگے بڑھانا اور متحرک کرنا ہوتا ہے۔ یہ صرف جذبہ ہی ہے جو کسی کام کو کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

حوصلہ افزائی وہ محرک ہے جو جذبوں کو ابھارتا، صلاحیتوں کو اجاگر کرتا اور کچھ کر گزرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اگر خلوص، محبت، خیر خواہی سے پیش آیا جائے اور حوصلہ افزائی کی جائے تو کارکنوں کی کارکردگی بہت بہتر اور تنظیم نہایت مؤثر ہو سکتی ہے۔

عام طور پر اصلاح کے لیے رپورٹ سسٹم اور احتساب و محاسبے پر زور دیا جاتا ہے۔ درحقیقت رپورٹ اور محاسبہ تو مسائل کے حل کے لیے آخری چیز ہے۔ جب خرابی پیدا ہو تو اس کو حرکت میں آنا چاہیے۔ اس سے پہلے بہت سے مراحل ہیں جن سے تحریک' ساتھیوں اور کارکنوں کو گزرنا چاہیے۔

اپنے ساتھیوں کی تربیت کرنا' خلوص و محبت اور خیر خواہی کے ساتھ صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کام لینا' مؤثر تنظیم کے لیے یہی ساتواں اصول ہے۔

میں فی الحال انھی سات اصولوں پر اکتفا کر رہا ہوں۔ انھیں بڑھایا اور گھٹایا بھی جا سکتا ہے۔ تاہم تتمہ کے طور پر میں دو باتیں مزید عرض کروں گا۔

اجتہاد کی صلاحیت

پہلی بات یہ ہے کہ اسلامی تحریک کے حوالے سے آگے بڑھنے کے لیے روز آپ کو نئے حالات پیش آئیں گے' نئے افراد سے سابقہ پڑے گا' نئی نئی صورت حال پیدا ہوں گی' نئے لوگ آپ کے ساتھ آکر شامل ہوں گے اور نئے اقدامات کی ضرورت پیش آئے گی۔ ان حالات میں جس تنظیم کو چلانے والے اور چلنے والے' ہر سطح پر' اجتہاد اور جرأت و حوصلہ کی صلاحیت سے محروم ہوں' تو وہ تنظیم بالآخر اپنی جگہ پر کھڑی ہو جاتی ہے' اور جمود کا شکار ہو جاتی ہے۔ اجتہاد کے معنی یہ ہیں کہ جیسے جیسے آپ کو نئے نئے حالات پیش آئیں' ان کے پیش نظر ایک طرف آپ فوری طور پر نئی تبدیلیاں اور نئے اقدامات کر سکیں' اور دوسری طرف اتنی ہمت و جرأت ہو کہ جو کام ہوتا چلا آ رہا ہو اور وہ مفید نہ ہو تو اسے ترک کر سکیں۔ اس کام کے لیے جس قدر ہمت و جرأت کی ضرورت ہے اس کا آپ کو شاید اندازہ نہیں۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ماضی کی روایت کو آسانی سے ترک نہیں کرتا بلکہ اس پر اصرار کرتا ہے اور نئی بات کو آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دانتوں سے پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں خواہ اس کا فائدہ ہو یا نہ ہو۔ یہ آئین نو سے ڈرنے اور طرز کہن پر اڑنے والی بات ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ روایات کی بڑی اہمیت ہے۔ اخلاقی و روحانی روایات تو اٹل ہیں اور انھیں ہمیشہ قائم رہنا چاہیے۔ البتہ تنظیمی روایات ہم نے خود بنائی ہیں' انھیں اپنایا یا چھوڑا جا سکتا ہے۔ مگر روایات کو ترک کرنا اتنا آسان اس لیے نہیں ہے کہ اللہ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ وہ روایات یا اقدار کو آسانی سے ترک نہیں کرتا۔ اس میں یہ استعداد رکھی ہے کہ وہ روایات کو قائم رکھے۔ ورنہ اس بات کا خدشہ تھا کہ اگر آئے روز روایات بدلنے لگیں تو پھر کوئی بھی کام آگے نہ بڑھ پاتا اور معاشرتی اقدار کو قائم نہ رکھا جا سکتا۔

انسان فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ جو چیز جتنی قیمتی' پیاری اور اہم ہو' اسے وہ اتنی ہی مضبوطی سے تھامے اور محفوظ رکھے۔ مگر جسے آگے بڑھنا ہو اور سفر کرنا ہو' یا جس تنظیم کو آگے بڑھنا ہو' نئے نئے

حالات سے جس کو سابقہ پڑتا ہو' اگر وہ اپنی اقدار و روایات کو ہر صورت میں تھامے رکھے اور سفر کے دوران نئے نئے اسٹیشن یا نئے نئے حالات کو پیش نظر رکھ کر تبدیلیاں نہ کرے یا ان سے نبٹنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو' تو پھر سفر کا کتنا مشکل ہو گا اور سفر کہیں بھی رک سکتا ہے۔ اس لیے اجتہاد اور ہمت و جرأت کی صلاحیت افراد' تحریکوں اور قوموں' سب کے لیے بڑی ضروری ہے۔

ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ دنیا کی بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں مسلسل اس بات کی تحقیق کرتی رہتی ہیں کہ آیندہ مارکیٹ کی کیا صورت حال ہے۔ آیندہ دس سال کے بعد کیا صورت حال اور تقاضے ہوں گے۔ چنانچہ دس سال کی ضروریات کے پیش نظر وہ منصوبہ بندی کرتی ہیں' اپنی مصنوعات میں تبدیلیاں لاتی ہیں' اور اس طرح سے اپنا مال تیار کر کے وقت سے پہلے مارکیٹ میں لے آتی ہیں۔ اگر یہ کمپنیاں ہمیشہ ایک ہی طرح کا مال بناتی رہیں تو یہ بڑی بڑی کمپنیاں جو نظر آتی ہیں' دنیا سے کچھ ہی عرصے میں محو ہو جائیں۔ کوئی کمپنی دیگر کمپنیوں کی مصنوعات کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہ رہے۔ یہ کیوں آگے بڑھتی ہیں؟ اس لیے کہ ان کا مال ہمیشہ وقت سے پہلے یا عین وقت پر مارکیٹ میں آجاتا ہے۔

میں تجارت کی اصطلاحات بار بار استعمال کر رہا ہوں۔ اس سے آپ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ ان کا تحریک پر اطلاق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے اور کار دعوت کو تجارت قرار دیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (الصف ۶۱: ۱۰) اے لوگو جو ایمان لائے ہو' میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمھیں عذاب الیم سے بچا دے؟

اللہ تعالیٰ نے یہ اصطلاح اور تشبیہ بار بار متعدد مقامات پر استعمال کی ہے اس لیے کہ مکہ کے تاجر ان اصطلاحات کو بڑی اچھی طرح سمجھتے تھے اور آج کی تجارتی دنیا میں بھی یہ تشبیہات سمجھی جا سکتی ہیں۔

جس تاجر یا دکان دار کو ایک ہی مال ایک ہی جگہ پر بیچنا ہو' وہ تو اپنی جگہ پر بیٹھا رہے گا' مال بیچتا رہے گا اور پیسہ کماتا رہے گا۔ مگر ہماری تحریک اور تنظیم کو ایک ہی مال بیچ کر' ایک ہی مقام پر نہیں رہنا ہے' بلکہ آگے بڑھ کر غلبہ حاصل کرنا ہے۔ اس لیے آپ کو نئے مال اور نئی مارکیٹ کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔ یہ دیکھنا ہو گا کہ معاشرے کے کون کون سے طبقات ہیں جن تک ہماری دعوت نہیں پہنچی۔ وہ کون سے نئے الفاظ' نئے پیرائے اور اصطلاحات ہیں جن میں اپنا پیغام بہتر اور موثر انداز میں پہنچایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی سوچنا ہو گا کہ پوری تحریک جو ایک مدت سے میدان عمل میں ہے' اس میں کیا تبدیلیاں لائی جائیں کہ جس سے ہم آگے بڑھ سکیں اور مطلوبہ ہدف حاصل کر لیں۔ ان امور پر بار بار سوچنے اور سوچتے رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ سوچ اجتہاد اور ہمت و جرأت کی صلاحیت سے پیدا ہو سکتی ہے۔ ان کے بغیر ترقی کا سفر جاری رکھنا ممکن نہیں۔

تحریک کا اصل کام اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ آیندہ دس برس کے بعد ہم کہاں ہوں گے؟ یہ وسعت اور بصیرت ناگزیر ہے۔ اس لیے کہ آیندہ دس برس کے بعد بھی اگر ہم اسی جگہ اور اسی مقام پر یہ رپورٹ دے رہے ہوں کہ اس حلقہ متفقین میں ۱۰ متفق ہیں، ۲ کا اضافہ ہوا اور ۲ کی کمی ہوئی، تو پھر یہ ایک محض وجود برقرار رکھنے والی (maintenance) تنظیم کی کیفیت ہو گی، تحریکی تنظیم کی نہیں۔ اس کے مقابلے میں اگر آپ کو یہ معلوم ہو یا آپ کی یہ سوچ ہو کہ دس سال کے بعد یہاں دس حلقہ متفقین ہوں گے، ۱۰۰ متفق ہوں گے، یا دس کارکن ہوں گے، یا علاقے کے فلاں فلاں امام و خطیب، اور چودھری، اور مؤثر افراد ہماری دعوت کے قریب آ جائیں گے، اور اس کے لیے آپ ایک منصوبہ عمل بنا کر مطلوبہ ہدف کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں، تو پھر آپ دیکھیں گے کہ اللہ کی مدد و تائید اور برکت آپ کے شامل حال ہو جائے گی۔

اس کے لیے اجتہاد اور ہمت و جرأت کی ضرورت ہو گی کہ آپ روایات سے چمٹ کر ہی نہ رہ جائیں۔ البتہ جو روایات مفید ہوں، ان پر ضرور جمے رہنا اور ان سے چمٹے رہنا چاہیے۔ مگر وہ روایات جو کام میں رکاوٹ بن رہی ہوں، بوجھ بن رہی ہوں، انھیں چھوڑنے کی ہمت ہونی چاہیے۔ اسی طرح جو چیزیں مفید نہیں رہیں، انھیں مفید بنائیں۔ ان کے اندر روح پھونکیں۔ جب تک یہ عمل مسلسل اجتہاد اور ہمت کے بغیر جاری نہیں رہے گا، اس وقت تک آپ آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔ ہاں آپ اپنے وجود کو ضرور برقرار رکھ سکیں گے اور اپنے مقام پر بہت اچھی طرح کھڑے رہ سکیں گے۔ لیکن اس علاقے میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر کے غلبہ نہیں پا سکیں گے جو کہ حقیقتاً مطلوبہ ہدف ہے۔

قائدانہ صلاحیت

دوسری بات تتمہ کے طور پر میں یہ کہوں گا، جو میں نے آغاز میں بھی کہی تھی کہ آپ اپنے کام کا صحیح معنوں میں جائزہ لے کر دیکھیں کہ واقعتاً کیا کام کرنا مطلوب و مقصود ہے؟ کوئی چک ہو یا گاؤں، ضلع ہو یا صوبہ، آپ اپنے کام (job) کا اندازہ یا پیمانہ مقرر کریں، یعنی size up کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا اندازہ لگائیں کہ اس علاقے میں کتنی آبادی ہے؟ مردوں اور عورتوں میں مجھے دعوت کا کام کتنی مدت میں کرنا ہے؟ چنانچہ انھیں اپنے قریب لانے اور دعوت کے لیے مسخر کرنے کے لیے کوئی متعین مدت اور ہدف مقرر کریں اور پھر اسے حاصل کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کو اپنے علاقے یا حلقے کی دیگر تفصیلات کا علم بھی ہونا چاہیے کہ یہاں کتنے اساتذہ، ڈاکٹر، انجینیر، فوجی، مؤثر افراد، امام و خطیب، مساجد اور علما وغیرہ ہیں۔ نیز مخالفین، دیگر سیاسی جماعتیں اور ان کے قائدین، ان کا اثر و رسوخ، وسائل و قوت اور حکمت عملی کا بھی اندازہ ہونا چاہیے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کسی علاقے کے گورنر کو اپنے علاقے کی تفصیلات کا علم ہوتا ہے۔ یا قدیم صوفیاے کرام کی اصطلاح کے مطابق کسی علاقے

کے "قطب" یا "ابدال" کو جو اس پورے علاقے کی نگرانی اور حفاظت کیا کرتے تھے، اپنے علاقے کی "تفصیلات" کا علم ہوتا تھا۔ سید مودودیؒ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ ہماری نگاہ میں ارکان وہ ہوں گے جو اپنی اپنی بستی میں "قطب" بن کر یا "روشنی کا مینار" بن کر عوام کا "مرجع" بن جائیں گے، یعنی علاقے کے حقیقی قائد ہوں گے۔

جواب دہی کا احساس

آپ اپنی بستی کے قطب یا ابدال اس وقت بن سکیں گے جب آپ کو اپنی رعایا (عوام) کی فکر ہو گی۔ اس حدیث میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ ہو گی یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر اس مرد و عورت اور بچے کے بارے میں جواب دینا پڑے گا جو شہادت حق کے حوالے سے آپ کے زیر اثر ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی انسان کپکپا کر رہ جاتا ہے ؎

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

آخر صحابہ کرامؓ اور خلفاے راشدینؓ کیوں جواب دہی کے احساس سے کانپتے اور روتے تھے؟ حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ اگر وادی فرات میں کوئی بکری بھی بھوکی مر جائے گی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مجھ سے پوچھے گا کہ وہ کیوں بھوکی مر گئی--- یہ احساس، احساس مسئولیت ہے جو لرزہ براندام کرنے کے لیے، کپکپانے کے لیے، دل کو پگھلانے کے لیے، آرزوؤں کو ترک کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔

ایک ذمہ دار فرد کی حیثیت سے اگر آپ کی تحصیل، ضلع یا علاقے میں جس شخص تک بھی حق کا پیغام نہیں پہنچے گا وہ قیامت کے روز آپ کا گریبان پکڑ کر کھڑا ہو سکتا ہے کہ اس شخص کے پاس حق تھا اور اس نے مجھ تک نہیں پہنچایا۔ کیا آپ اس بات کی جواب دہی کر سکیں گے؟ اس بات کو اگر آپ بار بار سوچیں، مسئولیت کے احساس کو زندہ اور تازہ کریں، تو آپ محسوس کریں گے کہ سب سے بڑا اور کرنے کا اصل کام تو بس یہی ہے۔

جتنی باتیں اور اصول میں نے بیان کیے ہیں، ان پر اس وقت تک صحیح معنوں میں عمل در آمد نہیں ہو سکتا، جب تک کہ آپ کے قلب کے اندر جواب دہی اور اللہ کے آگے کھڑے ہونے کا احساس جاگزیں نہ ہو۔ یہ احساس جواب دہی صرف اپنے لیے ہی نہیں، بلکہ دوسروں کے لیے بھی ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ پوری تحریک اور تنظیم کی بنیاد ہی اس پر رکھی گئی ہے کہ آپ دوسروں کے لیے جواب دہ ہیں۔ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (الاعراف ۷: ۶) ہم نے جن کو بھی بھیجا ہے ان کو حساب دینا ہو گا---- یعنی ہم رسولوں میں سے ایک ایک سے پوچھیں گے کہ تم نے کیا کیا۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضورؐ نے اپنے صحابی عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ مجھے قرآن سناؤ۔ جب وہ اس

آیت پر پہنچے: فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًا ○ (النساء ۴: ۴۱) اس وقت کیا ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تم کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے------ تو آواز آئی عبداللہؓ بس کرو! وہ رک گئے، نگاہ اٹھا کر دیکھا تو حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ گویا یہ احساس کہ اللہ تعالیٰ مجھے حق کا گواہ بنا کر قیامت کے روز کھڑا کرے گا، آپؐ جیسے شخص کے دل کو پگھلانے کے لیے کافی تھا جو کہ دعوت اور شہادت کے فریضے کی ادائیگی مکمل اور احسن ترین انداز میں انجام دے رہے تھے۔ اس احساس کے بغیر اگر آپ کام کریں گے تو خواہ گاؤں ہو یا شہر، ضلع ہو یا صوبہ یا پورا پاکستان، مؤثر تنظیم کے یہ بنیادی اصول آپ کے کام نہیں آسکتے۔

آخری بات یہ کہوں گا کہ اختصار کی بنا پر میں نے دلائل، واقعات اور مثالوں کا تذکرہ نہیں کیا۔ ان تمام اصولوں اور باتوں کے لیے قرآن و سنت کے اندر بے شمار ذخیرہ موجود ہے۔ یہ اصول اتنے اہم ہیں کہ دنیا بھر میں لوگ ہزاروں ڈالر صرف کر کے لیڈرشپ اینڈ مینجمنٹ کے کورس کرتے ہیں اور ان اصولوں کو سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کم و بیش یہی اصول ہیں جو دنیا بھر میں سکھائے جاتے ہیں مگر میں نے اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے بیان کر دیے ہیں۔ ان سے استفادہ کر کے اور ان کو عملی جامہ پہنا کر آپ فریضہ اقامت دین اور شہادت حق کو احسن انداز میں انجام دے کر خدا کے ہاں سرخرو ہو سکتے ہیں، جواب دہی اور مسئولیت سے بچ سکتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اسلامی انقلاب کی منزل بھی قریب آسکتی ہے۔ ان شاء اللہ!

(کیسٹ سے تدوین: امجد عباسی)

(مکمل مضمون کے ری پرنٹ دستیاب ہیں، منشورات، منصورہ، لاہور)

ترجمان القرآن
امت کے لیے زندگی کا پیغام ہے!
اس پیغام کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کیجیے